

قرآن کا تصویرِ عدل

☆ اکثر خالد علوی ☆

عدل اصل میں مصدر ہے جو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں
عدل اور اس کے مشتقات کئی مقالات پر وارد ہوئے ہیں، مثلاً عدل کے معنی فدیہ کے ہیں

جیسے:

ولا يؤخذ منها عدل۔ (۱) اور ان سے فدیہ میں کچھ نہ لیا جائے گا۔

وإن تعذر كل عدل لا يؤخذ منها۔ (۲)

اگر وہ ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) فدیہ دینا چاہے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔

اور عدل کے معنی برابر و یکساں کے بھی آتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے:

أو عدل ذلك صياماً ليذوق وبال أمره۔ (۳)

یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے۔

ابو عمر کے بقول عدل بالفتح کے معنی قیمت کے بھی ہیں، فدیہ کے بھی، مرد
صالح کے بھی اور حق و انصاف کے بھی۔ (۴)

قرآن پاک میں یہ لفظ اور اس کے مشتقات چھیس مرتبہ آئے ہیں اس سے اس کی
اہمیت اور تصور کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ عدل اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے جس
تنوع کا حامل ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اس کا جائزہ ایک اصطلاح کے طور پر
لینا چاہتے ہیں جسے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خاص طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ہم
عدل کے استعمالات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے تصور میں دو مستقل حقیقتیں پہنچانے

ایک لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لagg طریقہ سے دیا جائے۔ ہمارے ہاں جو اصطلاح "اصف" استعمال ہوتی ہے وہ عدل کا مفہوم پوری طرح ادا نہیں کرتی کیونکہ اس کا مطلب نصف کی تقسیم ہے۔ عدل بعض حالات میں بلاشبہ مساوات کا مقاضی ہوتا ہے جیسے حقوق شہریت مگر بعض دوسری صیغتوں میں مساوات عدل کے منافی معلوم ہوتی ہے جیسے والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات۔ عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حقوق میں توازن قائم کیا جائے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی اور تمدنی حقوق ادا کئے جائیں۔

عدل اللہ کی ایک صفت ہے۔ اس کے اسماء حسنی میں ایک اسم عدل بھی ہے یعنی اس کی بات، اس کا فعل اور اس کا فیصلہ توازن و تناسب کے منافی نہیں ہوتا وہ حق و عدل ہے اور اس کی ذات سے صادر ہونے والی ہرشے حق و عدل ہے۔

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ
البصیر۔ (۵)

اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں کر سکتے بیٹک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت اس بیان کا حصہ ہے جس میں عظمت الہی اور اس کے مطلق اختیارات کا ذکر ہے۔ قیامت کے دن انسانی اعمال کا جو فیصلہ ہوتا ہے اس میں کوئی زیادی اور حق تلقی نہیں ہو گی۔ اس سے پہلے کی آیات میں اللہ کا اعلان موجود ہے کہ کسی پر ظلم نہیں ہو گا۔ یہ اس کے فعل عدل کی مثال ہے۔

أَلَيْوْمَ تَجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسِبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ (۶)

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا آج کسی پر ظلم نہیں ہو گا بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

انسانی مصلحتوں کے پردے میں صحیح بات کہنے سے گریز کرتا ہے۔ حق کو چھپاتا ہے

اور اس طرح عدم توازن اور عدم تناسب کا ارتکاب کر کے عدل کے منافی رویہ اختیار کرتا ہے لیکن قدر مطلق حق بات کہنے سے نہیں رکتا کہ یہی اس کی صفت عدل کا تقاضا ہے ، عربوں کی رسم متینی کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

ذلکم قولکم بِإِفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔ (۷)

یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اللہ تو حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

ربِ کائنات نے اپنے رویہ عدل کو نہایت واضح طور پر سورہ الانعام میں بیان فرمایا۔

اسلوب بیان سے عدل کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرمایا:

وَتَقَمَّتْ كَلْمَةُ رَبِّكَ صَدْقاً وَعَدْ لَا مُبَدِّلٌ لِكَلْمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (۸)

اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی و عدل میں پوری ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سب سننے والا اور جانے والا ہے۔

اللہ کی صفت عدل کا تکوینی اظہار پوری کائنات میں عیاں ہے۔ کائنات کا نظام، اس کی ترکیب، اس کے اجزاء اور اس کی حرکت و سکون سب مظاہر عدل ہیں کہیں خرابی و بد نظری کا شایبہ تک نہیں۔ ارشاد باری ہے:

ما تری فی خلق الرَّحْمَنِ مِنْ تَفْوُتٍ فَارْجِعُ البَصَرَ هَلْ تری مِنْ فَطُورٍ ثُمَّ ارْجِعُ البَصَرَ كَرِتَّینَ يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِثًا وَهُوَ حَسِيرٌ۔ (۹)

(دیکھنے والے) کیا تو خدائے رحمن کی آفرینش میں نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھے شکاف نظر آیا۔ پھر دوبارہ نظر کر تیری نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور نامراد تھک کر لوٹ آئے گی۔

پھر فرمایا:

شَهَدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأَوْلُوا الْعِلْمُ قَائِمًا بِالْقَسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (۱۰)

اور اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، فرشتوں نے اور اہل علم نے بھی وہی اللہ عدل سے قائم ہے، اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی لاائق

عبدات نہیں۔

رب کریم کا عدل تکوینی طور پر اس کائنات میں جادی و ساری ہے اور اس نے باختیار انسان کو عدل کا رویہ اختیار کرنے کے لئے اپنے خاص بندوں کو عدل کا پابند کیا۔
حضرت داؤد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا دَاؤد إِنَّا جَعَلْنَا خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعْ الْهُوَى فِي ضَلَالٍ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ。(۱۱)

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا تم حق کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا لے جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل کرنے کے اعلان کا حکم ہوا۔

قُلْ أَمْنِتَ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأَمْرَتْ لِأَعْدَلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ رَبَّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حَجَّةَ بَيْنَا وَبَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ بِيَنَّنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ。(۱۲)

آپ کہہ دیں کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں اللہ ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا۔ ہم اور تم میں کوئی بحث و تکرار نہیں اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادلانہ مزاج اور رویے کو منشاء اللہ کے طور پر پیش کیا گیا اور تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ کی حیات طبیہ کا ایک ایک لمحہ عدل کی عملی تفسیر تھا۔ آپؐ نے اہل کتاب، مشرکین، مخالفین، منافقین، اصدقہ اور اقرباء حتیٰ کہ اپنی ذات تک کہیں بھی عادلانہ روشن سے انحراف نہیں کیا ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنائم تقسیم کر رہے تھے کہ عبد اللہ ابن ذی الحویصرہ نے آپؐ سے کہا:

”اعدل یا رسول اللہ“ یا رسول اللہ آپؐ عدل کریں۔

آپؐ نے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ آئندہ رسولوں کے لئے نصیحت و عبرت کا سامان

ہے۔ فرمایا:

”وَيُلِكُّ مَنْ يَعْدُلُ إِذَا لَمْ يَعْدُلْ“ (۱۳)

تم ہلاک ہو، اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا۔
نشاء اللہ کی تشریعی تنفیذ کے لئے صاحب ارادہ و اختیار انسانوں کو حکم ہوا کہ عدل
و احسان کا رویہ اختیار کریں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ (۱۴) اللَّهُ تَعَالَى عَدْلُ وَاحْسَانُ كَعَدْلٍ وَاحْسَانٍ ہے۔
عدل ایک تصور ہے، ایک عمل ہے یہ زندگی کا ایک طریق ہے، زندگی چونکہ اپنی
و سمعت کے باعث کئی پہلو رکھتی ہے اس نے عدل بھی متنوع مظاہر کا حامل ہے اور اسے
مختلف تعبیروں سے بیان کیا جاتا ہے مثلاً انفرادی، اجتماعی اور پھر اجتماعی عدل میں معاشرتی
سیاسی، معاشری اور قانونی عدل۔ قرآن نے ان تمام مقامیں کا احاطہ کیا ہے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ کے ذریعے اس کی بے نظیر و ضاہتیں کی ہیں۔ کتاب و سنت
کے مقامیں و مظاہر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل اسلام میں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

انفرادی عدل

انسان اپنے انفرادی رویوں اور مزاج کے لحاظ سے افرط و تفریط اور ظلم و زیادتی کی
طرف مائل ہوتا ہے۔ وہ حب مال اور حب ذات کے باعث متوازن طرز عمل سے ہٹ جاتا
ہے۔ اور اس کا یہی انفرادی رویہ بڑے اجتماعی خطرات کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن
نے اس کے مزاج کو معتدل رکھنے کے لئے خصوصی ہدایات فرمائی ہیں۔

قرآن پاک کی اصطلاح ”القسط“ (۱۵) انہی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَامِينَ لِلَّهِ شَهِداءِ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِي مِنْكُمْ شَنَآنٌ قَوْمٌ عَلَى أَنْ لَا
تَعْدِلُوا إِعْدِلًا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ. وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ. (۱۶)

اے ایمان والو اللہ کے لئے الصاف کی گواہی دینے کی خاطر کھڑے ہو جالیا کرو اور
لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا
کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشک اللہ تمہارے

سب اعمال سے باخبر ہے۔

قلْ أَمْرِ رَبِّيْ بِالْقُسْطِ۔ (۱۷)

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا كَمْ أَمَّةً وَسْطًا لِتَكُونُوا شَهَادَةً عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ (۱۸)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پھر نبی (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔

حب مال کے مفاسد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَأَمَّا مِنْ بَخْلٍ وَاسْتَغْنَى وَكَذَبَ بِالْحَسْنَى فَسَنِيسِرَهُ لِلْعَسْرِيِّ۔ (۱۹)

اور جس نے بخل کیا ہے پروہ رہا اور نیک بات کو جھٹالیا ہم اسے سختی میں پہنچائیں گے۔

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبَخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْنَدُنَا لِلْكُفَّارِ عَذَابًا مَهِينًا۔ (۲۰)

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو مال اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کے رکھیں اور ہم نے ناشرکوں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حَبَّاً جَمَّاً۔ (۲۱)

اور مال کو بہت عزیز رکھتے ہو۔

رَبِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهْوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ المَقْنُطَرَةِ مِنَ الدَّهْبِ وَالْفَخْسَةِ وَالْخَيْلِ الْمَسْوُمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حَسْنُ الْمَآبِ۔ (۲۲)

لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

وَإِلَّا كُلَّ هَمْزَةٍ لَمْزَةٌ نَّ الذِّي جَمَعَ مَالًا وَعَدَدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ۔ (۲۳)

طعن آمیز اشارے کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہو گا۔

حب ذات کی حقیقت اور اس کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرمایا
ولا تمش فی الأرض مرحًا إِنَّكَ لَنْ تُخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجَبَالَ طَوْلًا۔ (۲۳)
اور زمین پر اکٹھ کر مت چل کہ تو زمین پھر تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پھراؤں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مِنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔ (۲۵)
 بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے، بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

لا تمش فی الأرض مرحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ (۲۶)
اور زمین پر اکٹھ کرنے چنانا کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔
حب مال اور حب ذات فرد کی زندگی میں اعتدال و توازن کی بجائے فساد و بگاث پیدا کرتے ہیں اور انسان عدل کی بجائے ظلم کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اعتدال و توازن انسان کی انفرادی زندگی میں اجتماعی فلاح و بہبود کی راہ ہموار کرتا ہے اس لئے عدل کی صفت کو فرد کی تربیت میں بنیادی اہمیت ہے۔ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ خَلَقْنَا أَمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ۔ (۲۷)
اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

وَمِنْ قَوْمٍ مُوسَى أَمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ۔ (۲۸)
اور قوم موسی میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

اجتماعی عدل

عدل فرد کی زندگی میں اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ معاشرے کے اجتماعی وجود کے لیے۔

اسلام کے اجتماعی نظام میں عدل کی وہی اہمیت ہے جو کسی عمارت میں اساس کی ہوتی ہے۔ مشکلم اجتماعی عدل کے تحت معاشرتی، سیاسی، معاشی اور قانونی عدل کے پہلو آتے ہیں۔ قرآن نے ان میں سے ہر ایک بڑے میں ایک نقطہ نظر دیا ہے جسے اپنانے سے صحت مند معاشرتی ماحول قائم کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نکات کی قوی و عملی تشریع منقول ہے جسے کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اجتماعی عدل اسلامی نقطہ نظر سے ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائے میں داخل ہیں وہ فکر و عمل اور ضمیر و وجدان سب پر چھلیا ہوا ہے اس کا انحصار معاشی قدروں پر ہے یہ اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے صرف مادی قدروں تک محدود نہیں بلکہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشنگوار امترانج کا نام ہے۔ (۲۹)

معاشرتی عدل

اجتماعی زندگی میں ناالنصافی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب افراد میں معاشرتی امتیازات ظاہر ہوتے ہیں اور غلام و آقا، عام و خاص، کمتر و برتر اور ظالم و مظلوم کے طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی طبقاتی تقسیم بالآخر اس معاشرتے کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ قرآن پاک نے معاشرتی مساوات کا تصور دے کر ظلم کی جڑ کاٹ دی اور انسان کے خود ساختہ معیار برتری اور غلط پسدار کی نفی کر کے عادلانہ روش کی راہ ہموار کی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبِّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَ مِنْهَا رِجَالًا
كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ۔ (۳۰)

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اسی جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔

رنگ و نسل کا امتیاز بھی بسا اوقات ظلم کا باعث بنتا رہا ہے اس کی حقیقت بھی

معاشرتی ظلم کی ایک نوعیت عورت کے حقوق کی نفی تھی جسے قرآن نے ختم کیا اور دنیا کو احساس دلایا کہ اس کی حیثیت مجبور و بے بس غلام کی نہیں بلکہ تمہارے جیسے انسان کی ہے اس نے انسان کو حقوق و فرائض کی مساوات کا احساس دلایا۔ فرمایا:

ولهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرْجَةٌ (۳۲)

عورتوں کے لئے معروف طریقہ پر وہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق کے اوپر ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

مرد و عورت کے روابط میں شکست و استحکام کی صورتوں میں عادلانہ رویہ کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی۔ اگر کسی وجہ سے عدل کا رویہ قائم نہ رہ سکتا ہو تو اس کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ مثلاً قرآن نے ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی لیکن اسے عدل کی روشن سے مشروط کیا۔ فرمایا:

وَإِنْ خَفِتْمَا الْأَقْسَطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكَحُوهُمَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مُثْنَى وَثَلَاثَ وَرَبْعٍ
فَإِنْ خَفِتْمَا إِنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مُلْكَتْ أَيْمَانَكُمْ ذَالِكُ اَدْنَى إِنْ لَا تَعْوِلُوا (۳۶).

اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند ہوں، دو دو، تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر ان بات کا اندریشہ ہو کہ سب سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت ہی (کافی ہے) یا باندی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انسان سے فجع جاؤ گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا آیت کے آغاز، درمیان اور اختتام پر عادلانہ روشن کا تذکرہ کس خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یوں کہئے کہ پورے طرز عمل کو عدل کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق کی طرح باہمی تبیہوں کے سلسلے میں بھی عدل کی بات کی گئی اور باہمی معاملات میں عدل کو کیسی اہمیت دی گئی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ لین دین کے معاملات حتیٰ کہ کسی کے بارے رائے دینے تک میں عدل کا ذکر کیا گیا ہے فرمایا:

وَلِيَكْتُبْ بِمِنْكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (۳۷)

واضح کی - فرمایا:

يأيها النّاس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبًا وقبائل لتعارفوا إنَّ أكرمكم عند الله اتقاكم. (٣١)

اے انساں! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری مختلف قویں اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔
حضور اکرمؐ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

يا معشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء ايها الناس كلکم من آدم وآدم من تراب لا فخر للانساب لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ان اكرمكم عند الله اتقاكم. (٣٢)

اے گروہ قریش۔ اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نجوت اور باب پ دادا کی بزرگی کے فخر کو تم سے دور کر دیا۔ اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ نسب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام نے اونچ بیج کے سارے امتیازات یک قلم مٹا دیے اور تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ مساوات انسان کا اتنا عظیم تصویر عملی صورت میں ظاہر ہوا۔ معاشرتی مساوات کے اس تصور پر اتنا زور اس لئے دیا گیا کہ اس کی غیر موجودگی سے ہی ظلم کی راہ کھلتی ہے۔ مساوات کا یہی تصور ہے جس نے امیر و حیریار یا غلام و آقا کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رہنے دیا۔
حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

من قتل عبده قتلناه ومن جدع عبده جد عناه و من اخصى عبده اخصيناه (٣٣)
جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے جو اس کی ناک تراشے گا اس کی ناک تراش لی جائے گی اور جو اسے خصی کرے گا ہم اسے خصی کریں گے۔

اور تمہارے باہمی معاملے کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔
اسی طرح اسلام نے معاشرتی عدل کو قائم رکھنے کے لئے ان تمام رکاوٹوں کو دور
کیا جو ظلم کا ذریعہ بن سکتی تھیں۔

سیاسی عدل

انسان انسراوی اور اجتماعی طور پر سب سے زیادہ ظلم کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب
معاشرے کا سیاسی انتظام غیر عادل ہاتھوں میں ہوتا ہے کیونکہ ظالم سیاسی نظام افراد معاشرہ
سے نہ صرف ان کے حقوق چھینتا ہے بلکہ ان کے امن و سکون کو بھی بر باد کر دیتا ہے۔
قرآن نے قوت اور عدل کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔

ولقد أَرْسَلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقُسْطِ وَأَنْزَلْنَا^(۳۸)
الْحَدِيدَ فِيهِ بَاسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ.

اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب
اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں
زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں۔

يَا دَوَّدِ إِنَّا جَعَلْنَا خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعْ الْهُوَى فِي ضَلَالٍ^(۳۹)
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ.

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس تم لوگوں میں حق اور
صداقت سے حکومت کرو اور خواہش کے پیچھے نہ لگ جانا، ورنہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ
کے راستے سے بھکار دے گا۔

سیاسی عدل کے ضمن میں وہ مرحلہ بڑا مشکل ہوتا ہے جب دو مسلم گروہ باہم آمادہ
پیکار ہوں۔ ایسے میں اس بات کا امکان ہے کہ سیاسی قوت کسی ایک فریق کی طرف جھکاؤ کا
اظہار کرے قرآن پاک نے اس کے لئے عدل کو معیار بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلُوا فَاصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأَخْرَى
فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ امْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (۲۰)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔
پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو
زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔ پھر اگر
رجوع کر لے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف
کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

سیاسی عدل کے مفہوم میں انتظامی و تنظیمی ظلم و بگاہ کو دور کر کے ایسی فضای قائم
کرنا ہے کہ کوئی شہری محرومی کا شکار نہ ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق محفوظ نظر آئیں۔ جان و
مال، عزت و آبرو اور حریت و اختیار ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ رہیں۔ اسلام نے حقوق و
فرائض میں جو عادلانہ نظام قائم کیا ہے وہ اپنی انفرادیت و افادیت کے باعث آج بھی اسی
طرح پر کشش ہے جیسے چودہ سو برس پہلے تھا۔

سیاسی عدل اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں معاشرے کا
اجتماعی وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے اور معاشرے کی حیثیت ایک جنگل کی سی ہو جاتی ہے جس
میں وہی نجی سکتا ہے جو ظالم اور خونخوار ہو۔ سیاسی عدل ہی معاشرے کو متوازن اور مامون
زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ قرآن و سنت میں امراء و حکام کی صفات، ذمہ داریوں اور
طرز عمل کے بارے میں جو تفصیلات آئی ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کو ختم
کرنے اور عدل کو قائم کرنے میں کتنی فضیلت ہے۔ ان تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مذکور ذمہ داری کا احساس کس طرح دلایا ہے۔
مندرجہ ذیل نصوص بطور شواہد پیش کی جا سکتی ہیں۔

وَإِذَا بَتَلَ إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ بِكَلَمَاتٍ فَاتَّمَهُنَّ قَالَ أَنِي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمَنْ ذَرَّتِي قَالَ لَا

يَنَالُ عَهْدِ الظَّالِمِينَ۔ (۲۱)

اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند بالتوں میں آزمایا اور وہ ان میں
پورا اتر ا تو رب نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ (ابراہیم نے کہا کیا
میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد طالموں کو نہیں پہنچتا۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلَحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ
كَالْفَجَارِ. (٣٢)

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں، کیا ہم پر ہیز گاروں کو فاجریوں کی طرح کر دیں۔

وَشَدَّدْنَا مَلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَةَ وَفَصَلَّ الخَطَابَ. (٣٣)
اور ابوذرؓ کی بادشاہی کو ہم نے مضبوط کیا اور اسے حکمت اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت دی۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ. (٣٤)
یوسفؑ نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر دے، بے شک میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔

ان نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ سیاسی انتظام کے لیے کیسے افراد مطلوب ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہؐ نے امراء کو امانت اور جوابدہی کے تصور سے سرشار کیا۔ اس ضمن میں نام بخاری اور مسلم نے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

مَامِنْ وَال يَلِي رَعِيَةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌ لِهِمُ الْأَحْرَمُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ. (٣٥)
کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا، تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ کو اس انتظام کی اہمیت و نزاکت کا احساس دلایا۔ آپؐ کے الفاظ سے اس کی ہدست کا پتہ چلتا ہے۔

يَا أبا ذر اذك ضعيف وانها امانة وانها يوم القيمة خزي وندامة الامن اخذبها وادي
الذى عليه فيها. (٣٦)

اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے۔ قیامت کے روز وہ رسوانی اور ندامت کا موجب ہو گا۔ سوائے اس شخص کے جس نے اس

کے حق کا پورا پورا لحاظ رکھا اور جو ذمہ داری اس پر عائد تھی اسے صحیک صحیک ادا کیا۔

من اخون الخيانة تجارة الوالى فى رعيته. (۲۷)

کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔

رسالت محمدؐ کے فیض یافتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حکمران کی بے انصافی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

من يظلم المؤمنين فانما يخلف الله. (۲۸)

اور جو مسلمانوں پر ظلم کرے، وہ خدا سے غداری کرتا ہے۔

مسلمان حکمراؤں نے المانت اور جوابدی کے اسی تصور کے زیر اثر سیاسی عدل کی ایسی تابتاک مثالیں پیش کی ہیں جنہیں تاریخ کی زینت قرار دیا جاتا ہے۔

معاشی عدل

حیات انسانی میں وازن و ہم آہنگی کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اسے برقرار رکھنے میں معاشری عدل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ معاشری زندگی میں ظلم و استعمال، زر اندازوی اور اسراف و تبذیر سے ہوتا ہے جبکہ اسلام افاقت فی سبیل اللہ، حق معيشت کی مساوات اور ایثار کے اصولوں سے معاشری عدل کی راہ ہموار کرتا ہے دوسرے حاضر معاشری فلسفوں اور اقتصادی انقلابات کی زد میں ہے۔ باہمی کش کش اور تصادم نے معاشری ظلم کے ہوانک مناظر پیش کئے ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے خود غرضانہ اور ظالمانہ نظاموں سے نجات کی صورت اسلام کا تصور عدل ہے۔ ناجائز ذرائع اختیار کرنے اور لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر دولت سمینے کے ظالمانہ طریق سے روکتے ہوئے اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔

وَلَا تأكُلوا أموالكم بِيَنْكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَدْلُوا بِهَا إِلَى الْحَكَامِ لِتَأكُلوا فِرِيقًا مِّنْ أموال النَّاسِ
بِالْإِلَمِ وَإِنْتُمْ تَعْلَمُونَ. (۲۹)

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور ان کو حکام کے سامنے پیش کرو تاکہ لوگوں کے مال جانتے بوجھتے گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَلْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظَلَمًا إِنَّمَا يَلْكُلُونَ فِي بَطْوَنِهِمْ نَارًا وَسِيَصْلُونَ سَعِيرًا۔ (۵۰)
جو لوگ تیوں کے اموال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیوں میں آگ
بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

اَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَمَ الرَّبِّيَا۔ (۵۱)

اللَّهُ نَّهَىٰ بَعْ كَوْ حَلَالَ كَيَا اُور سُودَ كَوْ حَرَامَ كَيَا۔

وَيْلٌ لِلْمُطَفَّفِينَ الَّذِينَ إِذَا كَتَلُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفِفُونَ وَإِذَا كَالَّوْهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يَخْسِرُونَ۔ (۵۲)
تباهی ہے ان کم تو لئے والوں کے لئے جو دوسروں سے لیتے ہو تو پورا پیاہ
بھر کے لیتے ہیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔
بچا خرچ بخیں اور اکتباز کی نہ مت کرتے ہوئے فرمایا:

كَلُوا وَاشْرِبُوا وَلَا تَسْرُفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ (۵۳)

کھاؤ اور پیو مگر حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تَبْدِرْ تَبْدِيرًا إِنَّ الْمُبَدِّرِينَ كَانُوا أَخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَنُ لِرَبِّهِ كُفُورًا۔ (۵۴)
فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا
ناشکرا ہے۔

وَيْلٌ لِكُلِّ هَمْزَةٍ لَمَّا نَّ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَدَهُ يَحْسَبُ إِنَّ مَالَهُ اخْلَدَهُ كَلَّا لَيَنْبَذَنَ فِي
الْحَطْمَةِ۔ (۵۵)

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب چیز اور بدگو ہے، جس نے مال
جمع کیا اور گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا،
ہر گز نہیں وہ ضرور پھینکا جائے گا توڑ دینے والی آگ میں۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الْذَّهَبَ وَالْفَضْةَ وَلَا يَنْفَقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرُهُمْ بِعِذَابٍ أَلِيمٍ۔ (۵۶)
اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ
نہیں کرتے انہیں دردناک سزا کی خبر دے۔

اسلام نے حق معيشت کی مساوات ایثار و اتفاق کے ذریعے معاشرے سے معاشی
ناہمواریوں کو دور کیا تاکہ کوئی شخص محروم المعيشت نہ رہے۔ اسلام کے عادلانہ نظام میں

لوگوں کا انفرادی معاشی استحکام اسائی اہمیت کا حامل ہے۔ ارشاد باری ہے:
وما من دَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ (۵۷)

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبُوكُمْ وَمَمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا
الْخَبِيثَ مِنْهُ تَنْفِقُونَ وَلَا سِنَمْ بِالْأَخْذِيَّةِ إِلَّا أَنْ تَعْمَضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِّيٌّ حَمِيدٌ۔ (۵۸)

اے ایمان والو، اللہ کی را میں خرچ کرو ان عمدہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔ روزی چیزیں الگ کر کے اللہ کی راہ میں نہ دو حالانکہ اگر وہ تمہیں دی جائیں تو تم ہرگز انہیں نہ لو اور یہ کہ انعام پر بر جا۔ خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز اور بہترین صفات رکھتا ہے۔

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومُ۔ (۵۹)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے مال و دولت میں حق ہے، سوالی اور محروم کے لئے۔

وَيَؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خُصَاصَةً۔ (۶۰)

اور ان کو اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ علامہ اقبال نے اسلام کے معاشی عدل کو شعر کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے:
تَانَهْ باشَدْ درْ جَهَانْ مُتَحَاجْ كَسْ نَكَّاتَهْ شَرْعْ مُبَيِّنْ اَيْسْ اَسْتْ وَبِسْ
باہمی احترام، احساس ذمہ داری اور خدمت کے نتیجے میں اجتماعی تکالیف کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلٌ ظَهَرَ فَلِيَعْدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهَرَلَهُ وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلٌ زَادَ فَلِيَعْدْ بِهِ
مَنْ لَا زَادَلَهُ۔ (۶۱)

جس کے پاس زائد سوداگری ہو وہ اسے اس کے حوالے کر دے جس کے پاس کوئی سوداگری نہ ہو اور جس کے پاس زاد راہ زاید ہو تو جس کے پاس زاد راہ نہ ہو وہ اسے دے دے۔

قانونی عدل

اجماعی زندگی میں جب حقوق و فرائض میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے، حقوق پامال ہوتے ہیں یا فرد اور اجتماع کے وجود کو خطرات لائق ہوتے ہیں تو ضوابط و قوانین ہی تحفظ کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے آغاز ہی سے قوانین و ضوابط کی تنقیل و تنفیذ کا عمل شروع کر دیا تھا۔ فساد و بگار کو امن و استحکام میں بدلنے کے لئے قوانین کا عادلانہ استعمال مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قانون سازی اور تنفیذ قانون ایک طویل عمل ہے جو حیات انسانی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ انسان نے اپنے لئے اپنی عقل، تجربے، مشاہدے اور باہمی مشاورت سے قوانین بنائے اور خالق انسان نے بھی اپنی حکمت بالغ کے تحت اسے اصول و ضوابط عطا فرمائے انسان کے پاس قوانین کے اصولی اور تشریعی تفاصیل کا ایک ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود انسانی معاشرے ظلم و ناالنصافی کا شکار اور عدل کی برکات سے محروم ہیں اس کا ایک سبب تو عادلانہ قوانین کے شعور کا فقدان ہے اور دوسری وجہ ان قوانین کے درست نفاذ میں کوتاہی ہے۔ قرآن نے حکمت اللہ سے وہ اصول دیے ہیں جن کے ادراک اور تعمیل سے ظلم کی نفعی ہوتی ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عملی نفاذ کا نمونہ بھی عطا کیا ہے تاکہ اس کی پیروی سے ہر دور میں قیام عدل کی عمل جاری رکھا جاسکے۔ انسانیت بالعموم اور مسلمان بالخصوص کم شعوری اور کوتاہی کے باعث ظلم کے اندریروں میں بھٹک رہے ہیں۔ قرآنی نقطہ سے قیام عدل انبیاء کی بعثت کا مقصد رہا ہے۔

قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ. (۲۲)

اللَّهُ تَعَالَى تَمَّ كَوْ عَدْلَ كَطْرَ عَمَلَ كَأَحْكَمَ دَيْتَا ہے۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ إِنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ. (۲۳)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اسلامی نقطہ نظر سے چونکہ ظلم معاشرے کی بنیادیں ہلا دیتا ہے اس لئے اس کی ہر قسم کو ختم کرنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ظلم کرنے سے روکا

اور فرمایا:

ان الظلم ظلمات يوم القيمة. (۶۳)

ظلم قیامت کے دن انہیروں کی مش ہو گا۔

ضابطے اور قانون کے نفاذ کے سلسلے میں اسلام نے کسی کوتاہی اور کمزوری کے بغیر اقدام کیا ہے۔ ہم قیام عدل کے ضمن میں صرف دو اصولوں کے بیان پر اکتفا کریں گے جو نظام عدل اور قیام عدل کی روح اور اساس ہیں۔

۱- عدل قائم کرنے والے افراد

۲- قیام عدل کا عمل

عادل افراد

قرآن کی رو سے منصبی ذمہ داری کے لئے سب سے اوپریں بات افراد کی الہیت ہے اگر قیام عدل کی ذمہ داری نااللہل افراد کے سپرد ہو گی تو اس کے نتائج ظلم کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ وہ لوگ جنہیں قانون، مقاصد قانون، جرائم کے اسباب و نتائج، سزا کی نوعیت و حکمت اور معاشرے کے اجتماعی اخلاقی مفاد کا کامل شعور نہیں اور صرف معاشرتی مرتبے اور تنخواہ کی کشش نے انہیں کریں کریں عدالت پر بٹھا دیا ہے وہ بقول ڈاکٹر برهان احمد فاروقی عدل کی قربان گاہ ہی تیار کریں گے۔ قرآن نے اس اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

انَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوَا لَا مَانَاتٍ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا
بِالْعَدْلِ. (۶۵)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ انسانیت اہل امانت کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدہ طلب کرنے والوں کو ناپسند (۶۶) فرمایا ہے کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ عہدہ طلبی کے پیچھے خواہش نفس کا کوئی ظالمانہ پہلو چھپا ہو۔

دوسری اہم بات غیر جانبداری اور بے لوثی ہے کیونکہ ذاتی خواہش، گروہی مفاد اور

خارجی دباؤ عادلانہ فیصلوں کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں اور بنت ہے ہیں۔ قرآن سنت میں اس پہلو کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورہ نساء درج ذیل آیت قیام عدل کے سلسلے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے:

يَا يَهُآ الَّذِينَ أَمْنَوْا كُونُوا قَوَامِينَ بِالْقُسْطِ شَهِدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوْ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيَاً أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَبَعَّوُ الْهُوَى إِنْ تَعْدُلُوا وَإِنْ تَلُوُوا أَوْ تَعْرُضُوا فَلَئِنَ اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔ (۲۷)

اے ایمان والو انصاف کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہارا اپنا اس میں نقصان ہو یا ماں باپ کا، یا رشتہ داروں کا۔ اگرچہ دولت مند ہوں یا محتاج کیونکہ اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے تو تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو اگر تم زبان ملوے یا کچھ بجا جائے گے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

اس کی بہترین وضاحت ہمیں اسوہ رسول میں ملتی ہے۔ قریش میں معزز قبیلہ کی ایک خاتون چوری کرتی ہے، حد نافذ کرنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی جاتی ہے جس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:
انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشرييف والذى

نفسى بيده لوان فاطمة (بنت محمد) فعلت ذلك لقطعت يدها۔ (۲۸)

تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں وہ اسی لیے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور برتر درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی ہرگز دریغ نہ کرتا۔

حضرت عمر بیان کرتے ہیں:

رأيت رسول الله يقييد من نفسه۔ (۲۹)

میں نے رسول اللہ کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے بھی دیکھا۔
اس درجہ کی بے غرضی و غیر جانبداری سے قیام عدل کا عمل بے حد مؤثر ہو جاتا

ہے اور مجرموں کی حوصلہ ٹھکنی ہوتی ہے۔ عہد رسالت اور خلافت راشدین کا دور اس حقیقت پر شلیب عادل ہے۔

تیسرا اہم بات جوابدی کا تصور ہے۔ اصحاب عدل اپنے فیصلوں میں غلطی کر سکتے ہیں (۷۰)۔ اور اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ یہ اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے جوابدہ صحیح یعنی اگر ان پر تعبیر کی غلطی واضح ہو جائے تو اعتراف اور رجوع کی گنجائش موجود ہو۔ یہ جو توہین عدالت کا غیر اسلامی تصور راجح ہے یہ انسان کو معصوم اور مافق البشر ثابت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے صاحب اختیار اپنے ہر فیصلے کے لیے اپنے خالق کے سامنے جوابدہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے ملت مسلمہ کے سامنے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے:

ما من امیر يلى امر المسلمين ثم لا يجده لهم ولا ينصح الالم يدخل معهم في الجنة. (۱۷)

کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً نہ داخل ہو گا۔

جوابدی کا قرآنی تصور فیصلہ کرنے والے کو ہر لمحہ چوکس رکھتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

ووضع الكتاب فتري المجرمين مشفقيين مما فيه ويقولون يوينتنا مال لهذا الكتاب لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احساها ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا يظلم ربك احدا. (۷۲)

اور نہیں اعمال رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی۔ اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلم بند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

یہ مقام صرف اللہ اور اس کے رسول کو حاصل ہے کہ ان کے فیصلوں سے سرتاسری نہ کی جائے کیونکہ یہاں مجال اختلاف سے ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے قرآن پاک میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةً إِذَا قُضِيَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا إِنْ يَكُونُ لَهُمُ الْخَيْرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِي اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا لَّا مَبِينًا۔ (۷۲)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اپنے اس معاملے میں ان کے لیے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی تافہانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

قیامِ عدل کا عمل

عدل کے لئے جہاں اہل افراد درکار ہیں وہاں معاون اور سازگار ماحول بھی ضروری ہے نیز عادلانہ فیصلہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک پچھی گواہی کا انتظام نہ ہو کیونکہ چرب زبانی اور غلط بیانی سے فیصلوں پر اثر انداز ہوا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ جیسے صاحب وحی اپنے رفقاء کو خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّمَا إِنَّمَا بَشَرٌ وَّإِنَّمَا يَا تَيْنِي الْخُصْمُ فَلَعْلُ بَعْضُهُمْ إِنْ يَكُونَ أَبْلَغُ مِنْ بَعْضٍ فَاحْسِبْ إِنَّهُ صَادِقٌ فَاقْضِي لَهُ فَمَنْ قَضَيْتَ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قَطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلِيَحْمِلْهَا أَوْ يَذْرُهَا۔ (۷۳)

میں ایک انسان ہوں اگر میرے پاس کوئی مقدمے والا آتا ہے اور ایک دوسرا سے بہتر بات کرتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سچا ہے اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں تو جس کو میں کسی مسلمان کا حق دلا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے اس کو لے یا چھوڑ دے۔

قیامِ عدل کے عمل میں جہاں مدعی کو خوف خدا دلایا گیا ہے وہاں جھوٹی گواہی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ جھوٹی گواہی کے روایج سے پورا نظامِ عدل درہم برہم ہو سکتا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَإِذَا قَلَمْ فَاعْدُلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى۔ (۷۵)

اور جب بات کہو تو عدل کرو خواہ کسی قرابت دار کا معاملہ کیوں نہ ہو۔

مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِينَ لَا يَشْهُدُونَ الرَّوْرَ وَإِذَا مَرَوْا بِاللُّغُو مَرَوْا كَرَامًا۔ (۷۶)

اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو باوقار انداز سے گزر جاتے ہیں۔

کتمان شہادت کے بارے میں قرآن نے کہا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَأُنَّهُ أُثْمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ۔ (۷۷)

شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہ گار ہو گا اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

وَلَا نَكْتُمْ شَهادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذَا أَذَانَ الْأَئْمَنِ۔ (۷۸)

اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو گنہ گار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادۃ الزور کو کبائر میں شمار کیا ہے۔ (۷۹)

اجتیمی عدل کے اس تصور نے ملت اسلامیہ کو ایک جد کی مانند بنا دیا ہے یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے۔ ایک عضو کو جو تکلیف پہنچتی ہے تمام اعضاء اس کے درد کی ٹیس میں محسوس کرتے ہیں۔ باہمی تعاون و تکافل کے اصول پر مستحکم ہونے والی اس ملت کی حیات اجتماعی کو حضور اکرم نے دلکش اور مؤثر تعبیر سے بیان فرمایا:

تَرِي المؤْمِنِينَ فِي تَوَادِهِمْ وَتَرَاحِمِهِمْ وَتَعَاطِفِهِمْ كَمِثْلِ الْجَسَدِ إِذَا شَتَّكَى مِنْهُ عَضْوٌ تَدَاعَى لِهِ

سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحَمْىِ۔ (۸۰)

ہم لطف و کرم اور انس و محبت میں مسلمانوں کا حال جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو بدن کا عضو عضو بے خوابی اور بخار کے ذریعے شریک غم بن جاتا ہے۔

مومنین کے باہمی تعاون کی ایک اور لطیف تشبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

أَمْؤْمِنٌ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبَنِيَانِ يَشَدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ (۸۱)

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت (کی اینٹوں) کی مانند ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو تھامے اور سنبھالے رہتی ہے۔

تعاون و تکافل یہ وہ اعلیٰ ترین معیار ہے جس تک ہمارا تخلیل پرواز کر سکتا ہے۔
یہ اصول ہے جس کے تحت اجتماعی جرام کے لیے سزا میں مقرر کی گئیں ہیں اور اگر انہیں
تہ کر دیا جائے تو معاشرے کی اجتماعیت محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ رسول اکرم نے فرمایا:
کل المسلم علی المسلم حرام دمه و عرضه و ماله۔ (۸۲)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب کچھ حرام ہے۔ اس کا خون، اس کی عزت
و آبرو، اس کا مال۔

اجتماعی عدل اور خیر خواہی کا ایک لازمی تقاضا امر بالمعروف و نبی عن المنکر ہے۔
معروف کا فروغ اور منکر سے روکنا انفرادی اور اجتماعی عدل کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے،
قرآن نے مومن کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی ہے:
والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر۔ (۸۳)
مومن مرد اور عورتیں، سب ایک دوسرے کے رفق و دمساز ہیں۔ بھلائی کا حکم
دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

قرآن نے سورہ مائدہ کی آیت ۷۸، ۷۹ میں بنی اسرائیل کو اس لئے ملعون قرار دیا
کہ وہ ایک دوسرے کو برے اعمال سے نہیں روکتے تھے اور حدیث میں آیا ہے کہ:
لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی تھتم علماء هم فلم ینتهوا فجالسوهم فی مجالسهم
وأکلوهم وشاربوهم فضرب اللہ قلوبهم بعضهم بعض ولهنهم علی لسان داؤد و عیسیٰ
ابن مریم۔ (۸۴)

جب بنی اسرائیل میں گناہوں کا بازار گرم ہوا تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن
وہ نہیں رکے البتہ ان علماء نے مجالس میں ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور ان کے
ساتھ کھانا پینا جاری رکھا۔ پس اسی پر اللہ نے ان میں سے بعض (یعنی علماء) کے
دولوں کے بعض دوسروں (یعنی عوام) کے دولوں کی مانند کر دیا اور ان پر عیسیٰ ابن
مریم اور داؤد کی زبان سے لعنت بھیجی۔
ایک دفعہ کچھ لوگوں نے آیت:-

يَلِيهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضْرِكُمْ مِنْ ضَلَالٍ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ (۸۵)

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر
تم خود را راست پر ہو۔

سے یہ مفہوم نکالا کہ یہ کسی شخص کی ظلم و گمراہی پر خاموش رہنے کی اجازت فراہم کرتی
ہے۔ ابو بکر صدیقؓ کو علم ہوا تو انہوں نے اس کی وضاحت کی، کتب حدیث میں اس کی
تفصیل ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

يَا يَهُوَ النَّاسُ إِنْكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الْآيَةَ وَإِنْكُمْ تَضَعُونَهَا عَلَىٰ غَيْرِ مَوْضِعِهَا وَإِنِّي سَمِعْتُ
رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ أَنَّ النَّاسَ إِذَا رَأُوا وَالظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَىٰ يَدِهِ أَوْ شَكَّ أَنْ يَعْمَلُ اللَّهُ
تَعَالَى بِعِقَابٍ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِؐ يَقُولُ مَا مِنْ قَوْمٍ يَعْمَلُونَ فِيهِمْ بِالْمُعَاصِي ثُمَّ يَقْدِرُونَ
عَلَىٰ أَنْ يَغْيِرُوا فَلَمْ يَغْيِرُوا إِلَّا يُوشِكُ أَنْ يَعْمَلُ اللَّهُ بِعِقَابٍ۔ (۸۲)

لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو میں نے رسول
اللہؐ کو فرماتے سنا ہے کہ لوگوں کا حال جب یہ ہو جائے کہ وہ ظالم کو دیکھیں مگر
اس کا ہاتھ نہ کپڑے سکیں تو پھر اللہؐ کو ان پر عام عذاب بھیجتے دیر نہیں لگتی اور
میں نے رسول اللہؐ کو کہتے سنا ہے کہ کوئی قوم ایسی ہو جس میں گناہوں کا
ارٹکاب ہوتا ہو اور کچھ لوگ اس حالت کے بدلنے پر قادر ہوں لیکن پھر بھی نہ
بدلیں تو اللہ کی طرف سے سزاۓ عام نازل ہوتے دیر نہیں لگتی۔

گویا قیام عدل کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں میں کوتاہی سے نہ صرف یہ کہ
معاشرے کا سکون برپا ہوتا ہے بلکہ اللہ کی گرفت کا امکان بھی ہے جو دنیا و آخرت کی سب
سے بڑی ذلت ہے۔



حوالی

- البقرہ: ۳۸ -۱
 الانعام: ۷۰ -۲
 المائدہ: ۹۵ -۳
 لسان العرب: جلد ۱۱ ص ۲۲۳ -۴
 المؤمن: ۲۰ -۵
 المؤمن: ۷۱ -۶
 الاحزاب: ۳ -۷
 الانعام: ۱۱۵ -۸
 الملك: ۳، ۴ -۹
 آل عمران: ۱۸ -۱۰
 ص: ۲۶ -۱۱
 شوری: ۱۵ -۱۲
 بخاری کتاب استنباط المرتدین: ۵۲/۸: ابن ماجہ، مقدمہ، ۶۱/۱ -۱۳
 انخل: ۹۰ -۱۴
 لفظ، اسی مصدر ہے اور یہ عدل کے مقابل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اور اس مادہ کے
 مشتقات قرآن پاک میں ۲۲ مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ عدل یہ کے باعث میزان کو قطاس کے
 ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ (السراء ۳۵، الشراء ۱۸۲) اس اصطلاح کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے
 اور بندوں کی طرف بھی جیسے ونضع الموازين القسط لیوم القيمة۔ (الأنبياء ۴۷) اقیموا
 الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان (الرحمن ۹)۔ اس مادہ کے بعض استعمالات میں ظلم کے
 معنی بھی آئے ہیں۔ یعنی رفع عدل۔ اہل سنت نے اسے اضداد میں شمار کیا ہے۔
- المائدہ: ۸ -۱۶
 الاعراف: ۲۹ -۱۷
 البقرہ: ۱۳۳ -۱۸
 سورۃ التلیل: ۸ تا ۱۰ -۱۹

النساء: ٣٧	-٢٠
الغجر: ٢٠	-٢١
آل عمران: ١٣	-٢٢
البهرة: ١٣	-٢٣
بني اسرائيل: ٣٧	-٢٤
النساء: ٣٦	-٢٥
للمدن: ١٨	-٢٦
اعراف: ١٨٨	-٢٧
البيضا: ١٥٩	-٢٨
العدلة الاجتماعية في الاسلام	-٢٩
النساء: ١	-٣٠
الحجرات: ١٣	-٣١
سیرت ابن ہشام: ٥٣: ٣	-٣٢
ترمذی ، کتاب الدیات ، باب ماجه فی الرجل ... ٢٦/٣ ... ابو داود ، کتاب الدیات ، باب من قتل عبدہ ، ٦٥٣، ٦٥٢ / ٣	-٣٣
البقرة: ٢٢٨	-٣٤
یہ درجہ مرد کی زیادہ ذمہ داریوں کے باعث ہے۔	-٣٥
النساء: ٣	-٣٦
البقرة: ٢٨٢	-٣٧
المرید: ٢٥	-٣٨
ص: ٢٦	-٣٩
الحجرات:	-٤٠
البقرة: ١٢٣	-٤١
ص: ٢٨	-٤٢
ص: ٢٥	-٤٣
یوسف: ٥٥	-٤٤
بخاری کتاب الادکام ، باب من استرعی ... ٨/٢٧٠: مسلم ، کتاب الادارة ، باب فضیلۃ الامام العادل: ٩/٤	-٤٥

- ٣٦ مسلم، كتاب الامارة، باب كراهة الامارة، ٢/٢-٧
- ٣٧ كنز العمال، ٢/١٢٢
- ٣٨ كتاب الامارة، ٢/٢
- ٣٩ البقرة: ١٨٨
- ٤٠ النساء: ١٠
- ٤١ البقرة: ٢٧٥
- ٤٢ المطففين: ١٣٣
- ٤٣ الاعراف: ٣
- ٤٤ بني اسرائيل: ٢٦، ٢٧
- ٤٥ الہمزة: ١٣٥
- ٤٦ التوبه: ٣٣
- ٤٧ سورة هود: ٢
- ٤٨ سورة البقرة: ٢٦٧
- ٤٩ سورة العنكبوت: ٢٥، ٤٢
- ٥٠ الحشر: ٩
- ٥١ ابوالاود، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ٢/٣٥؛ مسلم، كتاب المقطعة، باب اتحاب المؤاسة، ٥/١٣٨
- ٥٢ النحل: ٩٠
- ٥٣ النساء: ٥٨
- ٥٤ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، ٨/١٨
- ٥٥ النساء: ٥٨
- ٥٦ بخاري، كتاب الاحكام، باب ما يكره من الحرم، ٨/١٠٢
- ٥٧ النساء: ١٣٥
- ٥٨ ترمذى، كتاب الحدود، باب ماجاء في كراحته.....، ٣٨/٣، ابن ماجه، كتاب الحدود، باب الشفاعة....، ٢/٨٥
- ٥٩ كتاب الحرج، ١٦
- ٦٠ اجتیادی غلطی
- ٦١ مسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الامام العدل، ٦/٩

- الكهف: ٣٩ -٧٢
- الاحزاب: ٣٦ -٧٣
- مسلم، كتاب الاقضية، باب الحكم بالظاهر، ٥ / ١٢٨، بخاري، كتاب الاحكام، باب موعضة الامام، ٨ / ١١٢ -٧٤
- الانعام: ١٥٢ -٧٥
- الفرقان: ٧٢ -٧٦
- البقرة: ٢٨٣ -٧٧
- المائدۃ: ١٠٢ -٧٨
- بخاري، كتاب الشهادات، باب ما قيل في شهادة الزوج، ٣ / ١٥١ -٧٩
- بخاري، كتاب الادب، باب رحمة الناس بالرحم، ٧ / ٧٧، ٨٠ -٨٠
- الإضا، ٧ / ٨٠ -٨١
- مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحرير ظلم المسلم، ٨ / ١١؛ ابو داود، كتاب الادب، باب في الغيبة، ٥ / ١٩٦ -٨٢
- توبہ: ١٧ -٨٣
- ترمذی، كتاب الفیر، تفسیر سورة المائدۃ، ٥ / ٢٥٢ -٨٤
- المائدۃ: ١٠٥ -٨٥
- ترمذی، كتاب الفیر، تفسیر سورة المائدۃ، ٥ / ٢٥٢ -٨٦

☆☆☆